Vol 5 Issue 4 Jan 2016

ISSN No : 2249-894X

Monthly Multidisciplinary Research Journal

Review Of Research Journal

Chief Editors

Ashok Yakkaldevi
A R Burla College, India

Ecaterina Patrascu
Spiru Haret University, Bucharest

Kamani Perera
Regional Centre For Strategic Studies, Sri Lanka

Welcome to Review Of Research

RNI MAHMUL/2011/38595 **ISSN No.2249-894X**

Review Of Research Journal is a multidisciplinary research journal, published monthly in English, Hindi & Marathi Language. All research papers submitted to the journal will be double - blind peer reviewed referred by members of the editorial Board readers will include investigator in universities, research institutes government and industry with research interest in the general subjects.

Regional Editor

Manichander Thammishetty
Ph.d Research Scholar, Faculty of Education IASE, Osmania University, Hyderabad.

Advisory Board

Kamani Perera
Regional Centre For Strategic Studies, Sri Lanka

Ecaterina Patrascu
Spiru Haret University, Bucharest

Fabricio Moraes de AlmeidaFederal University of Rondonia, Brazil

Anna Maria Constantinovici
AL. I. Cuza University, Romania

Romona Mihaila
Spiru Haret University, Romania

Delia Serbescu
Spiru Haret University, Bucharest, Romania

Xiaohua Yang
University of San Francisco, San Francisco

Karina Xavier
Massachusetts Institute of Technology (MIT), USA

May Hongmei Gao
Kennesaw State University, USA

Marc Fetscherin
Rollins College, USA

Liu Chen
Beijing Foreign Studies University, China

Mabel Miao
Center for China and Globalization, China

Ruth Wolf
University Walla, Israel

Jie Hao
University of Sydney, Australia

Pei-Shan Kao Andrea
University of Essex, United Kingdom

Loredana Bosca
Spiru Haret University, Romania

Ilie Pintea
Spiru Haret University, Romania

Mahdi Moharrampour
Islamic Azad University buinzahra Branch, Qazvin, Iran

Titus Pop
PhD, Partium Christian University, Oradea,
Romania

J. K. VIJAYAKUMAR
King Abdullah University of Science & Technology,Saudi Arabia.

George - Calin SERITAN
Postdoctoral Researcher
Faculty of Philosophy and Socio-Political Sciences
Al. I. Cuza University, Iasi

REZA KAFIPOUR
Shiraz University of Medical Sciences
Shiraz, Iran

Rajendra Shendge
Director, B.C.U.D. Solapur University, Solapur

Nimita Khanna
Director, Isara Institute of Management, New Delhi

Salve R. N.
Department of Sociology, Shivaji University, Kolhapur

P. Malyadri
Government Degree College, Tandur, A.P.

S. D. Sindkhedkar
PSGVP Mandal's Arts, Science and Commerce College, Shahada [M.S.]

Anurag Misra
DBS College, Kanpur

C. D. Balaji
Panimalar Engineering College, Chennai

Bhavana vivek patole
PhD, Elphinstone college mumbai-32

Awadhesh Kumar Shirotriya
Secretary, Play India Play (Trust),Meerut (U.P.)

Govind P. Shinde
Bharati Vidyapeeth School of Distance Education Center, Navi Mumbai

Sonal Singh
Vikram University, Ujjain

Jayashree Patil-Dake
MBA Department of Badruka College Commerce and Arts Post Graduate Centre (BCCAPGC),Kachiguda, Hyderabad

Maj. Dr. S. Bakhtiar Choudhary
Director,Hyderabad AP India.

AR. SARAVANAKUMARALAGAPPA UNIVERSITY, KARAIKUDI,TN

V.MAHALAKSHMI
Dean, Panimalar Engineering College

S.KANNAN
Ph.D , Annamalai University

Kanwar Dinesh Singh
Dept.English, Government Postgraduate College , solan

More.........

Address:-Ashok Yakkaldevi 258/34, Raviwar Peth, Solapur - 413 005 Maharashtra, India
Cell : 9595 359 435, Ph No: 02172372010 Email: ayisrj@yahoo.in Website: www.ror.isrj.org

International Online Multidisciplinary Journal
Review of Research
ISSN No : 2249-894X
Impact Factor 2.1002 (UIF) [Yr.2013]
3.1402 (UIF) [Yr.2014]
Save Tree, Save Paper, Save World
ISSN: 2249-894X Impact Factor : 3.1402(UIF) Volume - 5 | Issue - 4 | Jan - 2016

عصری اُردو غزل میں سماجی عناصر

ڈاکٹر محمد شفیع چوبدار
(اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، ایس ایس اے آرٹس اینڈ کامرس کالج شولاپور)

غزل اُردو شاعری کی شناخت ہی نہیں اُس کا چہرہ بھی ہے۔ اس چہرے کے ہم رنگ حیات کے سمندر کے مدوجزر سے اُبھرنے والے ہزار ہا رنگ ہیں۔ اب جس شاعر کی تیراکی اور غوطہ زنی میں جتنی مہارت ہوگی اُتنے ہی گوہر نایاب اُس کے ہاتھ لگیں گے اور وہ غزل پسندوں کے حوالے کر پائے گا۔ اگر مہارت میں کمی رہ جائے تو اس کی غزل سمندری آلودگی، کیچڑ اور گندگی میں سما جائے گی اور غزل کا چہرہ مسخ ہو جائے گا۔ دراصل غزل گوئی احتیاط کا عمل ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ کھلاڑیوں کا کھیل ہے۔ اگر اناڑیوں کے ہاتھ لگ جائے تو اس کا چہرہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ اس کے باوجود صدیوں سے غزل گوئی کا عمل جاری ہے۔ ہر دور میں غزل کو شعراء کی کمی نہیں رہی۔ دراصل اس صنف سخن کو طرحی مشاعروں نے ہوا دی اور یہ صنف ترقی کی منزلیں طے کرتے کرتے اکیسویں صدی تک پہنچ گئی۔ گو کہ ماضی کی غزل سے حال کی غزل یکسر مختلف ہے۔ لیکن اس کی ہیت اور اہمیت اپنی جگہ مستحکم ہے۔

اُردو غزل میں زندگی کے مختلف رنگوں کو پیش کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اُس کا رومانی رنگ زیادہ خوش رنگ اور پسندیدہ رہا۔ اس رنگ کی ہر دور میں ایک مخصوص طبقے میں اہمیت رہی اور آج بھی ہے۔ غزل کے اس رنگ کا چلن گائیکی میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ موسیقی کے میدان میں زیادہ تر اس رنگ کی غزلیں ہی کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شراب، شباب کے موضوعات بھی عام ہیں۔ لیکن ہر دور کی طرح اس دور میں بھی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو غزل میں موثر انداز میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اگر ہم کلاسیکل غزل کی بات کریں تو وہ غزلیں بھی اپنے رنگ اور آہنگ کے ساتھ اس دور میں بھی غزل کے شائقین کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہیں۔ مگر یہ غزلیں بھی موسیقی کے بغیر آج کے دور میں پھیکی لگتی ہیں۔ اس کی وجہ قدیم اُردو زبان ہے۔ آج کے دور میں وہ زبان چونکہ عام نہیں اس لیے اساتذہ کے اچھے اور معیاری اشعار بھی اپنا اثر کھو دیتے ہیں۔ ان کی ترسیل پوری طرح ہو نہیں پاتی جبکہ اساتذہ کے پاس تو ہمیں رومان کے علاوہ بھی زندگی کی بہت ساری ایسی باتیں ملتی ہیں جو کارآمد اور چونکا دینے والی ہیں۔ جن کا تعلق زندگی سے گہرا ہے۔ اور پھر اُن میں صوفی ازم بھی ہے اور فلسفہ بھی۔ نفسیات بھی ہے اور جنسیات بھی۔ ترقی پسند دور تک اور جدیدیت کے رُجحان تک اور اب مابعد جدیدیت تک غزل کے روپ رنگ بدل بدل کر نکھر گئے ہیں۔

مجھے یہاں نہ غزل کی تاریخ بیان کرنی ہے اور نہ ہی غزل کے بدلتے ہوئے رنگ و آہنگ پر بات کرنی ہے کیونکہ یہ موضوع بہت ہی وسیع اور تحقیق طلب ہے۔ مجھے اُردو غزل میں سماجی عناصر پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ لیکن یہ موضوع بھی آسان نہیں کیونکہ ہر سو پرانی اس صنف سخن میں سماجی واقعات، حالات، معاملات اور معمولات اور انفرادی اور اجتماعی فردی زندگی پر گفتگو کرنا مجھ جیسے کم پایہ شخص کے لیے مشکل ضرور ہے۔ لیکن میں نے اس کے لیے ایک صورت نکال لی ہے۔ میں نے صرف عصر حاضر کے چیدہ شعراء کے مجموعوں کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے اپنی غزلوں میں سماجی عناصر

کو ملحوظ رکھا ہے۔ جب تحقیقی نقطۂ نظر سے میں نے دیکھا تو کسی ایک شاعر کے پاس یہ عناصر پوری طرح نظر نہیں آئے۔ ہاں ہر ایک کے پاس کچھ اشعار ضرور ملے۔ میں نے ان اشعار کا بغور مطالعہ کیا۔ سوچ کے دائرے اُبھرے تو مجھے ان میں آج کا سماج سانس لیتا ہوا نظر آیا۔ ذیل خدمت ہے کچھ شعراء کے اشعار پر ناچیز کے خیالات۔

جمیل مجاہد صاحب کی غزل کا ایک مطلع ہے۔

لوازمات ضروری جو گاؤں میں ہوتے
تو ہم بھی ماں تیرے آنچل کی چھاؤں میں ہوتے

اس مطلع میں گاؤں اور شہری زندگی کی جھلک نظر آتی ہے اور یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ یہ اُس نوجوان کی چتا اور اُس کا درد ہے جو گاؤں نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اپنے گاؤں سے اُسے پیار ہے۔ ماں کی ممتا اُسے چاہیے۔ لیکن گاؤں میں روٹی روزی کے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً اُسے شہر آنا پڑا۔ لیکن ہر وقت ہر پل اسے یہ احساس رہا کہ کاش ضروریات زندگی کی تکمیل اس کے گاؤں میں ہوتی اور وہ اپنی ماں کے آنچل کی چھاؤں میں ہوتا۔

رفیق جعفر صاحب کی غزل کا ایک مطلع ہے۔

گھر بیٹھ کے ہم کو تو مقدر نہیں ملتا
ہیرا تو بڑی چیز ہے پتھر نہیں ملتا

اس شعر میں سست، کاہل یا ہم روزگار میں مبتلا فرد کے لیے ایک درس ہے۔ شاعر آگاہ کر رہا ہے کہ گھر بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ حرکت میں ہی برکت ہے۔ اپنے مقدر میں جو ہوگا ضرور ملے گا۔ تلاش و جستجو ضروری ہے۔ یہ شعر قاری اور سامع کو تحریک دلانے اور چوکس رکھنے کا کام کرتا ہے۔ سماج کے بےکار فرد کو باعمل ہونے کے لئے اُکساتا ہے۔

ڈاکٹر معین الدین شاہین کا دوہا کی بحر میں ایک مطلع ہے

میں بھی آدم زاد ہوں تو بھی آدم زاد
رہے ہمارے بیچ کیوں دنگا اور فساد

شاعر ملک میں آئے دن ہونے والے دنگا فساد سے نالاں ہے۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ذات پات، رنگ نسل اور زبان کے مسئلوں پر ملک میں نفرت کی آگ پھیل جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں، محلے، شہر کی آگ جنگل کی آگ کی طرح پھیل کر تباہی مچاتی ہے۔ قتل، خون، زنا بالجبر کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔ کسی کا بھائی بچھڑ جاتا ہے تو کسی کی بیٹی کی عصمت دری ہو جاتی ہے۔ کوئی یتیم ہو جاتا ہے تو کوئی بیوہ ہو جاتی ہے۔ اس نفرت کی آگ بھڑکانے والوں کو شاعر یہ کہہ رہا ہے۔ جب ہم ایک ہی آدم کی اولاد ہیں تو ہم میں تو پیار محبت اور اتحاد ہونا چاہیے۔ ہمارے بیچ یہ دنگا فساد کیوں ہوتے ہیں۔ یہ شاعر کا سماج کے لیے تنبیہ اور کارآمد پیغام ہے۔

ضیاء باغپتی صاحب کا ایک شعر ہے۔

منتشر رہ کے تو بس ہاتھ ہی مل سکتے ہو
متحد ہو کے زمانے کو بدل سکتے ہو

شاعر کی سوچ مثبت ہے۔ جب وہ اپنے سماج میں اپنی قوم میں انتشار کا عالم دیکھتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے۔ اسے افسوس ہوتا ہے۔ سوچتا ہے کہ ان کے لیے کچھ ایسا کیا جائے کہ ان کی سوچ بدلے اور انتشار اور عدم اتحاد ختم ہو اور امن قائم ہو۔ اسی احساس کی شدت کے تحت یہ شعر ادا ایک پیغام کا کام کرتا ہے کہ اتحاد میں فائدہ ہے عدم اتحاد میں نقصان ہے۔ منتشر رہ کر ہاتھ ملنے سے بہتر ہے کہ متحد ہو کر زمانے کو بدلا جائے اور سب مل جل کر ایک بہتر سماج کی تشکیل کریں۔

ظفر گورکھپوری کا ایک شعر ہے۔

جدائی پی گئی بیوی کے رخساروں کی شادابی
میں خوشحالی لئے جب تک سمندر پار سے آیا

یہ شعر مسلم معاشرے کے ایک ایسے طبقے کی غمازی کرتا ہے جو مجبوری و بے کسی کے عالم میں نہ چاہتے ہوئے بھی سات سمندر پار جا کر ملازمت کرتے ہیں تاکہ ان کی بیوی بچے خوشحال رہ سکیں۔ شاعر نے کس خوش سلیقگی سے اس درد کو شعری پیکر عطا کیا ہے۔ یہ شعر شوہر کے گھر واپس آ کر بیوی کو ایک نظر دیکھتے ہی جو درد ابھر آتا ہے اس کا اظہار ہے۔ شوہر کی جدائی نے اسکی بیوی کے رخساروں کی سرخی چھین لی ہے جبکہ وہ دولت کما کر لایا ہے۔

مغلاق صدفؔ کا ایک شعر ہے۔

سچ پوچھیے تو بڑھ گئی مصروفیت صدفؔ
ہفتے کے سات روز میں اتوار ہی نہیں

یہ شعر ہمارے سماج کے نوکری پیشہ طبقے کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہفتے میں ایک دن چھٹی کا ملتا ہے لیکن اتوار کو ہر نوکری پیشہ آدمی کے پاس اتنے کام ہوتے ہیں کہ اتوار دیکھتے ہی دیکھتے گذر جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نوکری پیشہ آدمی کو نوکری کی مصروفیت کے علاوہ کچھ ذاتی، کچھ گھریلو کام ہوتے ہی ہیں وہ سوچتا ہے کہ یہ کام میں چھٹی کے دن یعنی اتوار کو کرلوں گا لیکن کر نہیں پاتا تو سوچتا ہے کہ اس اتوار کو فلاں کام نہیں ہو پایا آئندہ اتوار کو کرلوں گا۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ کام ٹلتے ہی رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ذاتی درد ہے کہ جس کی دوا نہ ڈاکٹر کے پاس ہے نہ وقت کے پاس۔ گویا مصروفیت کا نام ہی زندگی ہے۔

ویوتی پانڈے کا ایک شعر ہے۔

بچپن کو ساتھ لے گئی گھر کی ضرورتیں
ساری کتابیں چھوڑ کے بچہ چلا گیا

ہمارے ملک کا یہ المیہ بڑا دردناک ہے کہ غریبی پر کنٹرول نہیں ہو پا رہا ہے۔ جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے لاکھوں لوگ خط غربت کے نیچے

زندگی بسر کرتے ہیں۔ غریب یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے بھی پڑھ لکھ کر خوشحال زندگی بسر کریں۔ کم از کم ان کی طرح غریب نہ رہیں۔ لیکن اسکول میں دو چار کلاس تک پڑھنے کے بعد کچھ خاندان بچوں کو پڑھانے سے مزدوری کروانا بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے بچے اسکول پڑھنے کی بجائے محنت مزدوری کریں گے تو چار پیسے کمائیں گے اور انھیں اپنی ضروریات کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔ اس طرح ان کا گزر بسر ہو جائے گا۔ شاعر نے سماج کے ایسے طبقے کے درد کو اس شعر میں بیان کر کے سماج کو آئینہ دکھایا ہے۔

بشیر بدر کا ایک شعر ہے

جو بھی گھر سے باہر نکلے ذرا سوچ سمجھ کر نکلے

نجانے کس موڑ پہ کس ہاتھ میں خنجر نکلے

یہ شعر گاؤں اور شہروں میں بڑھتی ہوئی نفرتوں، دشمنیوں اور دہشت گردوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے۔ شاعر سماج کے ہر فرد کو چوکس اور ہوشیار رہنے کی ہدایت دے رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم غفلت میں رہو گے تو بلا وجہ حادثات کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ شعر خدشات، خوف و ہراس کے ماحول سے بچے رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ندا فاضلی کا ایک شعر ہے

کوئی ہندو کوئی مسلم کوئی عیسائی ہے

سب نے انسان نہ بننے کی قسم کھائی ہے

ہمارے سماج میں ذات پات دین دھرم کی کشمکش دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر طرف اس کا بول بالا ہے۔ ہر کوئی اپنے محدود خیالات اور سماج محدود دائرے میں مقید ہو کر رہ گیا ہے۔ مذاہب کی سیاست کا غلبہ انسان کو انسان سے دور کر رہا ہے۔ ایسے میں شاعر جھلا کر کہہ رہا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ سب نے مل کر انسان نہ بننے کی قسم کھائی ہے۔ اس لیے سماج میں انسانیت نظر نہیں آ رہی ہے۔ شاعر نے یہ شعر کہہ کر کٹر مذہب پرستوں پر طنز کیا ہے۔ شاعر اس شعر کے ذریعہ وہ یہ بات کہہ رہا ہے کہ انسانیت ہاتھ سے نکل جائے گی تو بچے گا کیا؟ انسان اور حیوان کا فرق مٹ جائے گا۔ کیا دھرم یہی سکھاتا ہے؟

نذیر فتح پوری کا ایک شعر ہے

میں اپنے زخم لے کر جب گیا اُس شخص کے آگے

وہ مجھ سے بھی زیادہ اپنے زخموں کا دھنی نکلا

یہ شعر سماج کے ہر فرد کے غم کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا غم اپنا دکھ ہے۔ سماج میں کوئی شخص ایسا نہیں جو کسی نہ کسی غم میں مبتلا نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کا غم کم ہوتا ہے۔ تو کسی کا زیادہ۔ کوئی برداشت کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے تو کوئی نہیں رکھتا۔ کوئی گھٹن کرتے کرتے دکھی ہو جاتا ہے اور وہ دکھ اس کے دل کا زخم بن جاتا ہے۔ فرد چاہتا ہے کہ کسی ہمدرد، دوست یا رشتہ دار سے مل کر درد بانٹے تاکہ درد سے پیدا ہوئے زخم پر مرہم لگے۔ شاعر اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ جب وہ اپنا زخم لے کر ایک شخص کے پاس گیا تو اس شخص کے زخم اس سے زیادہ تھے۔ شاعر کا یہ تجربہ اس کے قاری یا سامع کا تجربہ بھی ہو سکتا ہے۔ شاعر کا یہ احساس سماج کا مشترکہ احساس ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

راجیش ریڈی کا ایک شعر ہے۔

یہ جو پڑے ہیں راہ میں آکاش اوڑھ کر
پانی بھی ان کو ملتا ہے پتھر نچوڑ کر

شاعر نے سماج کے ایسے پست طبقے کی زندگی کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ شعر کہا ہے جو فٹ پاتھ پر بسیرا کرتے ہیں۔ گرمی ہو کہ سردی ان کے پاس اوڑھنا بچھونا بھی نہیں ہوتا۔ شاعر نے محسوس کیا ہے کہ ان کو کھانا تو کجا پانی بھی سخت محنت مشقت کے بعد ملتا ہے۔ غریب ترین طبقے کی عکاسی اس شعر میں خوب کی گئی ہے۔

احتشام اختر کا ایک شعر ہے۔

مرے عزیز ہی مجھ کو سمجھ نہ پائے کبھی
میں اپنا حال کسی اجنبی سے کیا کہتا

یہ شعر ایک عام شکایت والا شعر ہے کہ سماج میں بہت سارے لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ گھریلو اور دور کے رشتے دار و عزیز انھیں سمجھ نہیں پاتے۔ شاعر کو بھی یہی شکایت ہے کہ جب اس کے عزیز اسے سمجھ نہیں پائے تو وہ اپنا حال اجنبیوں سے کیوں کہے۔ یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی معنویت کی گہرائی اور اس کے درد کی شدت کو محسوس کیا جا سکتا ہے

یہ تو کچھ مثالیں ہیں جو ناچیز نے اشعار کی تشریحات کے شکل میں پیش کر دیے۔ لیکن اس مقالے کی تحریر کے تجربے سے غزلیہ شاعری کے ایک توانا پہلو کو سمجھنے کا موقع ملا۔ پتہ چلا کہ ہماری غزلیہ شاعری میں سماجی عناصر کی کمی نہیں ہے۔ شعراء نے بہت اچھے، معیاری اور پُر مغز اشعار کہے ہیں۔ غزل میں یہ خوبی ہے کہ غزل کے ہر شعر میں ایک الگ مضامین باندھا جا سکتا ہے۔ یہی غزل کا وصف خاص ہے۔ لیکن کسی خاص موضوع یا مضامین والے اشعار کی شناخت دلچسپی کے ساتھ تلاش سے ہی ممکن ہو پاتی ہے۔ میری دلچسپی اور جستجو سے کچھ اشعار اس مقالے کے لیے میرے ہاتھ لگے۔

آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اُردو غزل میں سماجی مسائل پر اشعار ماضی بعید اور ماضی قریب کے مقابلے میں حال کے شعراء کے کلام میں بہت مل جائیں گے کیونکہ حال کے سماجی تقاضے الگ اور پیچیدہ ہیں۔ یہی مسائل شاعر کو شعر کہنے کے لیے اُکساتے ہیں اور شاعر کے کلام میں شدت پیدا کرتے ہیں۔ اس موضوع پر تجزیاتی کام سنجیدگی سے کیا جائے تو حال کا حقیقی سماجی منظر نامہ سامنے آئے گا جو تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔

☆☆☆

حوالے :

۱) مختلف رسالے
۲) شعراء کے مجموعۂ کلام
۳) شخصی انٹرویو

Dr. Chobdar Md. Shafi
Asst. Professor in Urdu ,
S.S.A's Arts & Commerce College Solapur (M.S.) India.

Publish Research Article
International Level Multidisciplinary Research Journal
For All Subjects

Dear Sir/Mam,

We invite unpublished Research Paper,Summary of Research Project,Theses,Books and Books Review for publication,you will be pleased to know that our journals are

Associated and Indexed,India

- Directory Of Research Journal Indexing
- International Scientific Journal Consortium Scientific
- OPEN J-GATE

Associated and Indexed,USA

- DOAJ
- EBSCO
- Crossref DOI
- Index Copernicus
- Publication Index
- Academic Journal Database
- Contemporary Research Index
- Academic Paper Databse
- Digital Journals Database
- Current Index to Scholarly Journals
- Elite Scientific Journal Archive
- Directory Of Academic Resources
- Scholar Journal Index
- Recent Science Index
- Scientific Resources Database

Review Of Research Journal
258/34 Raviwar Peth Solapur-413005,Maharashtra
Contact-9595359435
E-Mail-ayisrj@yahoo.in/ayisrj2011@gmail.com
Website : www.ror.isrj.org